Policy Journal of Social Science Review

Online ISSN 3006-4635

Print ISSN 3006-4627

Vol. 4 No. 3 (2026)

21st Century Urdu Novel: Feminist Narrative

اکیسویں صدی کا اردو ناول: تانیثی بیانیہ

[1]Dr. Uzma Noreen

[2]Dr. Saira Irshad

[1]Lecturer Urdu Department G.C Women University, Sialkot

[2]Assistant Professor, Urdu Department Government Sadiq College Women University, Bahawalpur

Abstract

Feminism or to put it another way, feminine sensibility is also being written in the novels of this century. Today's Indian woman has become quite conscious, she has come out of the male-dominated system, is fighting with all her might against exploitation, is playing her leadership role at the social and national level and is busy in every effort to assert her existence. The woman seen in today's Urdu novel is not one who follows the dictates of men, plays the role of a lover or is too bold to simply ask questions, but is far beyond that, a woman with authority and self-determination who is fully aware of her importance and her rights. This is beautifully expressed in Sarwat Khan's novel "Andhirapug" and Shaista Fakhri's novel "Nadidha Baharon Ke Nishan". Written against the backdrop of Rajasthan's male-dominated society, Sarwat Khan's novel is essentially a declaration of feminine rebellion against the sexual and mental subjugation of women for centuries. In Shaista Fakhri's novel, the protagonist Aliza ends the compassionate exploitation of women in an educated, wealthy, and civilized society and declares her decision-making and independence. Shaista Fakhri's novel is excellent in terms of language, expression, and artistic treatment. In general, in the narrative of such a subject, a kind of extremism, emotional fervor, and contempt for men are presented as key references, but Shaista Fakhri has transformed them with great skill into decency, seriousness, and the dignity of women.

Keywords: Feminism, 21st Century, Sarwat Khan,"Andhirapug", Shaista Fakhri,"Nadidha Baharon Ke Nishan"

Article Details:

Received on 14 Feb, 2026

Accepted on 06 March, 2026

Published on 07 March, 2026

Corresponding Authors*

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN 3006-4635
Print ISSN 3006-4627
Vol. 4 No. 3 (2026)

چونکہ اردو میں تانیثیت کا مفہوم ہی یہی ہے کہ ایک ایسی تحریک جو عورتوں کی ہر قسم کے حقوق اور سماج میں ان کے جائز مقام اور ان کے استحصال کو روکنے اور ان کو خود کفیل بنانے کی کوشش کانام ہے۔اس طرح سے عورت کی سیاسی ،سماجی، معاشی، تہذیبی اور حقوق کی بحالی کے علاوہ اس کے جسمانی اور نفسیاتی پہلوؤں کے مکمل مطالعہ کو سامنے لاتی ہے۔

اکیسویں صدی میں عورت پورے اعتماد کے ساتھ اور قوت سمیت اپنے حقوق کے حوالے سے خاصی مستعد نظر آتی ہے۔اپنے مقام کو مزید بہتر بنانے کے لیے وہ موجودہ صدی میں بھی اسی طرح نڈھال ہے۔ اکیسویں صدی کی تحریک کو مزید تقویت دیتی نظرآرہی ہے۔موجودہ دور میں وہ زیادہ بےباکی کے ساتھ سامنے آرہی ہے اور کسی بھی قبیح صورتِ حال کا پردہ چاک کرنے میں اپنی پوری توانائی دکھا رہی ہے۔آج کی عورت معاشرے میں زپنے کمزور مقام کو مقدر کا لکھا سمجھ کر گھٹ گھٹ کر دبنے پر مجبور نہیں مکمل احتجاجی رویہ کے ساتھ کھڑی ہے۔اسی بنیاد پر خواتین ناول نگاروں نے سماجی ، معاشی، سیاسی اور تعلیمی سطح پر مزدور جیسی مراعات حاصل کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے اور بڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہے۔اکیسویں صدی کی خواتین قلم کار تانیثی رجحان کے مضبوط سلسلے کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ ان خواتین قلم کاروں میں غزالہ، قمر اعجاز، شائستہ فاخری، نعیمہ احمدمہجور، آشا پر بھلات،صادقہ نواب، سحر، شہناز فاطمی، ثروت خان اورترنم ریاض نمایاں ہیں۔ ان ناول نگار خواتین نے اپنے نسوانی کرداروں کے ذریعے طبقہ نسواں پر کیے جانے والے ظلم و جبر کو برملا ظاہر کیا ہے ۔اس ہوالے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> "ایسا لگتا ہے کہ خواتین قلم کاروں کے مغربی تانیثاؤں کی طرح دانستہ یا نادانستہ طور پر اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ سماجی تبدیلیوں کا عمل اتنا آسان نہیں۔اس لیے انھوں نے ان سماجی قدروں کو نظرانداز کر کے ایک متبادل دائرہ کار دریافت کر لیا ہے۔ مردوں کو ہدف ملامت بنائے بغیر انھوں نے براہ راست ان سماجی قدروں کو نشانہ بنایا ہے جو عورتوں کو زیر اور استبداد رکھتی تھیں۔ انھوں ان Domains طبع آزمائی کی جو کہ خالصتاً مردوں کے قبضے میں تھیں ۔"(۱)

جب ہم اکیسویں صدی کی خواتین ناول نگاروں کے تانیثی کرداروں پر نظرڈالتے ہیں تو ہمارے سامنے شہناز فاطمی کے ناول"درکتے رشتے"کا ایک نسوانی کردار شیلا آجاتا ہے۔ یہ لکھ پتی والدین کی اکلوتی بیٹی ہے۔ اس کی شادی گاؤں کے غریب لیکن پڑھے لکھے جوان اجئے سے ہو جاتی ہے۔اجئے شادی کے بعد اچانک ہی بدل جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ شیلا سے حد درجہ متاثرہے۔والدین اکاکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے وہ والدین سے دورہو جاتا ہے۔حالاں کہ والدین بوڑھے ہو جائیں تو ان کو اولاد کی خدمت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔دوسری طرف شیلا خود کو ہر قسم کے ماحول میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ بولڈ ہے اور اپنے حقوق اورفرائض کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے کا گُر جانتی ہے۔ وہ ہر کسی کے سامنے اپنا مدعا بیان کرنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتی۔ وہ سوسائٹی کے خاص رکھ رکھاؤ کے مطابق خود کو ایڈجسٹ کرنے پر قادر ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکیسویں صدی کی خواتین کے ناولوں کے کردار اب ہربات آسانی سے کسی سے بھی کہنے کی صلاھیتوں سے مالا مال ہیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"ڈیڈی وہ تو ٹھیک ہے پر پھر اس میں دہرا خرچ بیٹھے گا نا۔"شیلا بولی۔

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN 3006-4635
Print ISSN 3006-4627
Vol. 4 No. 3 (2026)

"میں نے تو منع کیا تھا تمہارے پتا جی کو مگر انہیں باہر جانا تھا۔ مانے نہیں مجھ پر یہ کام ڈال کر چلے گئے۔ "جتندر بابو کے لہجے میں کڑواہٹ تھی۔ تبھی سمن وہاں آگئی اور جتندر سے بولی ۔"آپ نہا لیں تو کھانا لگادوں۔بہو تم بھی کاؤ گی نا؟"

"ہاں ممی بھوک تو لگی ہے آپ کے ہاتھ کا کھانا کھائے بہت دن ہو گیا ہے نا۔"شیلا نے کہا۔سمن کھانا لگانے چلی گئی اور جتندر بابو نہانے۔ شیلا وہیں دھوپ میں بیٹھ کر بال ٹھیک کرنے لگی ۔کھانا کھانے کے بعد اس نے کہا۔اب گھرشفٹ ہو جانا چاہیئے۔" "اتنی جلدی کیا ہے اجئے کو آجانے دو تب جیسا ہوگا کر لیا جائے گا۔"

سمن نے کہا۔"ان کے آنے میں دو چار مہینے تو ہیں ہی نا۔اتنے دنوں کیا ہم یہیں پڑے رہیں گے۔" شیلا نے نے احتجاج کیا۔اتنے دنوں سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ساری زندگی تو اسی گھر میں گزر گئی ۔ میں تو چاہتا تھا میری لاش یہاں سے نکلتی تو وہی اچھا تھا۔"جتندر بابو بولے۔"(۲)

اوپر کے اقتباس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ آج کی عورت خاصی بیدار ہو چکی ہے اور وہ اپنے حقوق کے لیے لڑنا جانتی ہے۔ اس ناول کا ایک اورکرداررما ہے جو اپنے والد کی دوسری شادی کے بعد اپنی سوتیلی ماں کو خوب آڑھے ہاتھوں لیتی ہے۔اس کی اپنی ماں نہیں ہے اس لیے سوتیلی ماں چھوٹے بھائیوں کو اس پر فوقیت دیتی ہے جس پر رما اور اس کے بیچ ہر وقت تکرار ہوتی ہے۔ اس طرح وہ ایک اقتباس میں اپنے جذبات کا اظہار یوں کرتی ہے :

"سوچ رہی تھی اپنے بیتے دنوں کو جب وہ بہت چھوٹی سی تھی۔اسے کس طرح گھر کے بڑے لوگ بھیا کے مقابلے میں نیچا سمجھتے تھے ۔ کھانا بھی پہلے بھیا کو پروسا جاتا اور وہ ،ان سے جھگڑ پڑتی تھی۔ "ماں میں بھی بھیا کے ساتھ لوں گی کھانا۔"

"چپ کلموہی ایک تو لڑکی بن کر پیدا ہوئی اور زبان دیکھ لو۔"ماں ڈانٹتی۔

"کیوں کیا ہوا میری زبان کو میں تو کھانا مانگ رہی ہوں۔ بھوک لگی ہےمجھے بھی ۔رما بولتی ۔ہاں۔ ہاں دونگی کھانا۔پر بھائی لوگ کے بعد جا۔ پانی دے ان کو۔"ماں نے کہا۔"میری جوتی دے گی پانی۔"(۳)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رما بھی اپنے حقوق کے حوالے سے خاصی باحوصلہ ہے۔

شہناز فاطمی کا دوسرا ناول"اپسرا"ایک ایسا ناول ہے جس جس میں ایک تانیثی کردار رینا ہے۔ یہ ایک مختصر مگر پراثر کردار ہے۔وہ کشور کی بیوی ہے۔اس کا شوہر ایک اور عورت کے ساتھ تعلق رکھے ہوئے ہے۔ رینا وقت کا انتظار کر رہی ے کہ کب اس کا موقع آئے گا کہ میں اس سے بدلہ لوں۔وہ بات بات پر شوہر سے مار بھی کھاتی ہے مگر اس کا حوصلہ کم نہیں ہوتا، اس طرح وہ آخر کار اپنے شوہر سے جدائی اختیار کر لیتی ہے۔ وہ کہتی ہے :

"میں اب بابوجی کے بنائے اس سونے کے پنجرے میں بنا دانا پانی اور خلوص کے تڑپ تڑپ کر نہیں مرونگی ۔پہل یہاں سے نکل کر ایک نئی زندگی کی شروعات کروں گی۔ میں ان عورتوں

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN 3006-4635
Print ISSN 3006-4627
Vol. 4 No. 3 (2026)

اورلڑکیوں کا سہارا بنوں گی جو سماج کی روایتی اصولوں کی سولی پر چڑھ کر یوں جہنمی زندگی گزارنے کو خود انہیں کے بزرگوں کے ذریعے مجبور کر دی جاتی ہے۔ ہاں اس راستے میں مشکلات بھی آئیں گی۔ سماج کے ایسے ٹھیکیدار مجھے کیا کچھ نہیں بولیں گےکشور کا یہ سماج مجھے بدنام بھی کرے گا۔ مگر میں ڈرونگی نہیں۔اتنی مار اور گالیاں اب تک بچا چکی ہوں کہ سماج کی گالیاں بھی بڑی آسانی سے بچ جائیں گی۔ جس انسان نے مجھ سے نہیں میرے پتا کے پیسوں سے شادی کی ہے اسے بھی تو آکر پتہ چلے کہ رینا ان کی مجبور نہیں ہے اوررینا کی دولت کی چاہ میں بڑھا ہوا ان کا پیٹ دیکھنا ہے رینا کیسے بھریگی۔رینا اپنے اندر سے جنگ کرتی آخر ایک فیصلے پر پہنچ گئی۔"(۴)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ ناول میں رینا کے کردار میں تانیثیت کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ رخسانہ خاتون کے ناول"دھند میں کھوئی روشنی"میں تانیثی عناصر نے ان کے کرداروں کو بامعنی بنا دیا ہے اوراپنے حقوق کے لیے جدوجہد کی صورت نظر آتی ہے۔ مثلاً شالینی اپنی تعلیم کے منقطع ہونے پر پورے اہلِ خانہ کی مخالفت مول لیتی ہے۔ اس طرح جب ا س کی مرضی کے خلاف اس کی تعلیم روک کر اس کی شادی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے تو وہ انکار تو نہیں کرتی مگر اس سلسلے پر اعتراض کرتے ہوئے کہتی ہے:

"ایک پڑھائی چھوٹ جانے پر بہت مشکل ہو گی۔پتا جی۔اس کا Tempoختم ہو جاتا ہے اورپھر اتنیFacility ملے نہ ملے۔۔۔" "میری تو خود بہت خواہش ہے کہ ۔۔۔لیکن کیا کروں مجبوری پیر پکڑ لیتی ہے۔"۔ "آخر آپ اپنے آپ کو اس قدر مجبور کیوں سمجھتے ہیں پتا جی۔۔۔"(۵)

اوپر کے اقتباس کے ذریعے مصنفہ لڑکیوں کی تعلیم کے حوالے سے احتجاجی لہجہ اختیار کرتی ہیں۔ وج یہ ہے کہ جب لڑکیاں مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہیں تو معاشرہ ان پر قدغن کیوں لگاتا ہے۔انھیں مزید تعلیم جاری رکھنی دینی چاہیئے۔انھیں مزید تعلیم سے کیون روکا جاتا ہے۔ شالینی قدم قدم پر اپنی تعلیم رہ جانے پر سوال کرتی ہے اور اس طرح وہ تانیثیت سے بھرپور کردار ہے جو اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرتی نظرآتی ہے اوراس طرح اس ناول کا مرکزی کردار راوی بھی یوں کہتی ہے:

"آج جب میں تجربوں سے کئی دنیاؤں سے گزری ہوں تو اچھی طرح سے جان گئی ہوں کہ کسی کے ہتھے چڑھنے کے لیے لڑکی کی کوئی عمر نہیں ہوتی ہے۔ اب تو حال یہ ہے کہ پیدا ہوتے ہیں لڑکی غیر محفوظ قرار دی جاتی ہے۔پالنے میں پڑی معصوم لڑکی بھی ہوس زدہ نگاہوں سے محفوظ نہیں ہے، میں تو خیر پھر بھی بارہ کو پہنچ چکی تھی۔ یوں بھی میں اپنی عمر سے زیادہ کی لگتی تھی۔"(۶)

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN 3006-4635
Print ISSN 3006-4627
Vol. 4 No. 3 (2026)

راوی کی حیثیت اپنے گھر میں دیگر بہن بھائیوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی۔ اس طرح وہ بار بار محبت میں لوگوں کے دلوں اور باتوں پر یقین کر کے دھوکے کھاتی ہے مگر وہ پھر بھی ہمت نہیں ہارتی۔ اگرچہ پورا سماج بےحس ہو چکا ہے اس کے باوجود ہمیں راوی سے محبت ہو جاتی ہے۔ مصنفہ کا یہ کمال ہے کہ اس نے تانیت کی نمائندگی کی ہے۔ نعیمہ احمدمہجور کا ناول "دہشت زادی"بھی تانیثیت سے بھرپور ناول ہے۔ یہ اردو ناول میں ایک باہمت کردار ہے۔ اس حوالے سے گیان چند کہتے ہیں:

"یہ دہشت زادی تاریخ کے دلدوز المیے کی داستان کو ورق در ورق کھولتی ہے۔ یہ اپنی وضع کی الگ تحریر ہے۔ اس کوئی بندھا لگا نام دینا مشکل ہے۔ اس میں رسم و رواج میں جکڑی پایہ زنجیر عورت کا درد بھی ہے اور وادی کی موجودہ سیاسی کش مکش و قومی تاریخ کے قدموں کی چاپ بھی۔ قاری جیسے جیسے اسے پڑھتا جائے گا متن کے بین السطورسے ایک ایسے مرکزی کردارکا چہرہ ابھرے گا جو دکھ کے اندوروں میں جھانکنے اور وادی کی زخمی روح سے ہم کلام ہونے کی ہمت رکھتا ہے۔ نیز جو اپنے و بیگانوں کی چیرہ دستیوں کو بےنقاب کرنے اور مٹی کی کراہ سننے کی تاب بھی لاسکتا ہے ۔"(۷)

اس ناول کے کردار کا تانیثی حوالے سے جائزہ لیا جائےتو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کشمیر کے معاشرے میں عورت کی پس ماندگی اپنے جوبن پر تھی۔ اس کے حقوق پامال کیے جا رہے تھے۔ یہاں لڑکیوں کو تعلیم دلوانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔اگر کوئی اپنی بیٹی کو تعلیم دلانا چاہے تو اس کا جینا دو بھر کیا جاتا ہے۔یہاں تک کہ اس کے قریبی رشتے دار اس کے ساتھ قطع تعلق کر جاتے ہیں۔ ناول کا مرکزی اپنی بہنوں میں تیسرے نمبر پر ہے۔ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے انڈین سول سروس میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہو جاتی ہے۔ساتھ ساتھ وہ امورِ خانہ داری میں بھی تیز طراز شاطرتھی۔ اس کی شادی ہو گئی تو اس کے شوہر اسدکے دوسری لڑکی کے ساتھ تعلقات تھے۔ اس لرکی کا نام پاشا ۔اس ناول کا مرکزی کردار جب بچے کی ماں بننے والی ہوتی ہےتو اسد کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ میکے میں ہی بچے کی ماں بن جاتی ہے اور تین سال تک اسد اس کی خبر تک نہیں لیتا۔ تین سال بعد وہ آتا ہے تو وہ اس کے ساتھ چلی جاتی ہے مگر اب وہ اس کے تیور بدلے ہوئے تھے اور اسد بھی اس کیفیت سے آگاہ تھا،اس دوران جب وہ لندن جاتی ہے تو یوں کہتی ہے:

" آج میں سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہوں ۔ہر کوئی آج میرا طواف کر رہا ہے کوئی مجھ سے بات کرنے کے لیے بےقرار ہے تو کوئی میری قابلیتے اور خیالات کا اعتراف کر رہا ہے۔ میں اس لمحے کو مٹھی میں قید کرنا چاہتی ہوں۔اس لمحے کو دل و جان سے جینا چاہتی ہوں۔ہم جیسی عورتوں کے لیے ایسا لمحہ کبھی کبھی آتا ہے۔"(۸)

اس طرح راوی کے کردار کے حوالے سے طبقہ نسواں کی نمائندگی ہوتی ہے۔یہ کردار مظلوم ہے لیکن مجبور نہیں۔اس ناول میں راوی کے علاوہ سائرہ ، فائزہ اور سرلا کے کرداروں میں بھی تانیثیت نظرآتی ہے۔سائرہ کے حوالے سے یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ ایک معروف افسر کی بیٹی ہے اور ا سے ہر قسم کا

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN 3006-4635
Print ISSN 3006-4627
Vol. 4 No. 3 (2026)

عیش و آرام میسر ہے۔ لیکن وہ کشمیر کے مطمئن نہیں ہے اور وہ چاہتی ہے کہ عورت آزاد ہو کر خوش حال زندگی گزارے۔اس کا تعارف یوں کیا جاتا ہے:

> "سائرہ ان لڑکیوں میں شامل ہے جو ہمیشہ اونچی اڑان بھرنے کی خواب پالیتی ہیں۔جس چیز کا ارادہ کر لیتی ہیں اس کو حاصل کر کے ہی چین پاتی ہیں۔وہ جو فیصلہ کرتی ہے اس کی پابند رہتی ہے اور کبھی اپنے فیصلے پر پریشان نہیں ہوتی۔"(۹)

وہ ایک این ج او بھی قائم کر لیتی ہے اور ہر خاموشی کے خلاف بولتی ہے۔وہ عورتوں کے حقوق کے حوالے سے خاصی پر جوش ہے۔وہ اپنے والدین کی پسند ناپسند کو بھی خاطر میں نہیں لاتی بلکہ ان کے ساتھ دلائل پر بات کرتی ہے۔اس نے جو این جی او قائم کی تھی اس میں خواتین پر تشدد کے حوالے سے خصوصی پروگرام بھی شروع کررہی تھی۔ سائرہ کے علاوہ فائزہ اورسرلا بھی تانیثی حوالے سے اہم اور متحرک لڑکیاں ہیں۔ وہ اپنے دور کے تانیثی اور معاشرتی نظام کے خلاف احتجاج کرتی نظر آتی ہیں۔وہ خواتین کی محرومیون کا ازالہ کرنا چاہتی ہیں ۔ساتھ ساتھ وہ جدیدیت کے اثرات کو بھی اپنی شخصیت کا حصہ بنانے پر مصر ہیں۔یہ کردار تانیثیت کے لیے راہیں ہموار کرنے کی خواہاں ہیں۔ ان کے خیال میں جب تک معاشرے میں مرد اور عورت برابر نہیں ہوں گے تب تک یہ متوازن نہیں ہوگا۔ اگرچہ یہ پدر سری معاشرہ ہے مگر وہ اپنے وجود کی شناخت کے حوالے سے دبے دبے لہجے میں اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہیں۔اس مصنفہ کا ایک اور ناول "کہانی کوئی سناؤ متاشا"میں ایک ایسی لڑکی کی کہانی بیان ہوئی ہے جو مظلومیت کا پیکر ہے۔ وہ جنسی و جسمانی استحصال کی وجہ سے مردہ جان ہو چکی ہے۔اس کی سماجی بےبسی اور مجبوری ایک الگ کہانی سنا رہی ہے۔ جب وہ پیدا ہوئی تو پورا گھر جیسے سوگ میں ڈوب گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ پہلی اولاد بیٹی ہونے کی وجہ سے کسی کے دل میں اس معصوم کے لیے محبت نہ تھی۔اس طرح جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی اس کی خواہشات پر قدغن لگائے گئے۔ اس ناول کا مقصود یہی ہے کہ آج بھی ہمارے معاشرے میں کہیں کہیں یہ جہالت پر مبنی رسوم قائم و دائم ہیں،جیسے کہ ماقبل اسلام میں تھیں۔ طلوعِ اسلام کے بعد تو وہ مسئلہ ختم ہو گیا مگر پھر بھی بعض جگہوں اورعلاقوں میں طبقہ نسواں کا استحصال کسی نہ کسی سطح پر جاری رہا۔ متاشا کا کردار اس معاشرے کا عکاس ہے جہاں وہ کبھی پاپا کے دوست تو کبھی علی گڑھ والے انکل ،کبھی کسی لڑنے والے وکیل، تو کبھی اپنا ہی سوتیلا بیٹا اور یہاں تک کہ اپنا شوہر بھی اس کے کردار کے حوالے سے شائق ہے اور اس پر شک کر رہا ہے۔پاپا کا دوست اس پر ڈورے ڈالنے کے چکر میں تھا۔علی گڑھ والے انکل اس پر بری نظررکھے ہوئے تھے۔کیس لڑنے والا وکیل بھی اس کے حسن کا پیاسا تھا۔ اس پہ طرہ یہ کہ اپنا ہی سوتیلا بیٹا اسے اشاروں کنایوں میں جنسی استحصال کا نشانہ بنانے پر تلا ہواتھا اور اس کا جینا دوبھر کیا ہوا تھا۔اگرچہ ا س نے ایک پانچ بچوں کے باپ سے شادی اس لیے کہ تھی کہ :

> "کیا سوچا تھا، کیا ہوا! پدبھا سے مل کر ارمان جگے تھے۔ایک شوہر ہو۔ ڈھیر سارے پیارے پیارے بچے ہوں،شوہر کے رشتہ داروں کو خوش رکھوں، ان کو اپنا سب کچھ مانوں، سکون۔۔۔سکون ہی سکون! ۔۔۔ مگر ایسا الٹ پلٹ۔دیپو کے بعد چار بچے،بیمار شوہر مجھے بات بات پر غصہ آجاتا۔"(۱۰)

یہ ایک ایسی لڑکی ہے جو سماج کے ہر وار تلے دبی ہوئی خوف زدہ لڑکی ہے اور ایسی لڑکیوں کو سماج ایسے طریقے سے دبا کر رکھتا ہے۔اس کا جینا محال کر دیتا ہے۔اس پر طرح طرح ظلم کرتا ہے۔

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN 3006-4635
Print ISSN 3006-4627
Vol. 4 No. 3 (2026)

اس ناول مین متاشا کے علاوہ بھی کئی کردار ہیں جیسے اس کی ماں، دادی ، مہک ، سائرہ، نانی، مینکا، نوشین،روزی، ورشائی وغیرہ۔اکیسویں صدی میں تانیثی کرداروں کے حوالے سے خواتین ناول نگاروں میں ایک اور اہم نام آشا پربھارت کا ہے۔ ان کے ناول"جانے کتنے موڑ"میں عورت پر روا رکھے جانے والے مظالم کی عکاسی کی ہے۔ جس میں عورت کو روایتی رسوم کا پابند دکھایا گیا ہے، بیواؤں کے مسائل بھی ان کے ناولوں میں بیان ہوئے ہیں۔ اونچ نیچ کی تفریق کے حوالے سے بھی ان کے ناول اپنا خاص نقطہ نظر رکھتے ہیں۔معاشرتی رسوم و رواج کی سخت گیری بھی ان کے ناول میں دکھائی گئی ہے۔سب سے اہم اور خطرناک مسئلہ قرض سے نجات حاصل کرنے کے لیے بیٹی کی بےجوڑ شادی کا مسئلہ ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار لتا عورت کے لیے ہر سطح پر آواز بلند کرنے والا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں عورت کو مرد کے برابر حقوق دلانے میں سرگرم عمل ہے۔لتا عورت کے مساوی حقوق کے لیے تن من اور دھن کی بازی لگا رہی ہے۔وہ عورتوں کے معاشرتی، نفسیاتی اور جنسی حقوق کے لیے آواز اٹھانے والی لڑکی ہے۔اس طرح یہ کردار تانیثیت کی علم بردار بن کر ناول کے منظر نامہ پر چھائی ہوئی ہے۔ اس ناول کے حوالے سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے احمد صغیر لکھتے ہیں:

> "آشا پربھارت کا نیا ناول"جانے کتنے موڑ"میں سماج کے اشرافیہ طبقہ کو موضوع بنایا گیا ہے کہ اس طبقے میں ایک عورت کس طرح پس رہی ہے اور سماج کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی ہوئی ہےاور ہر دکھ سہنے کو تیار ہے۔ عورت جب اپنے ارمانوں کا خون کر کے سماج اور صاحب ثروت لوگوں کے اصولوں پر چلتی ہے تو اس کی خوب قدر کی جاتی ہے لیکن جب یہی عورت کسی مصیبت میں پھنس جاتی ہے تو سماج اسے مصیبت میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔"(۱۱)

لتا ایک ایسا تانیثی کردارہے جو ایک طرف ایثار و قربانی کا پیکر ہے تو دوسری طرف آزادی اور مساوات کی علم بردار بھی ہے۔ یعنی ایک طرف شعلہ ہے تو دوسری طرف شبنم جیسی ملائمت بھی ہے ۔اس کی شخصیت میں آج کے سماجی ناانصافی کے دور میں وہ عورت کے حقوق کے لیے ہر سطح پر آواز اٹھانے والی ہے۔ کیوں کہ وہ جانتی ہے کہ اسے ہر سطح پر حقیر اور کمزور دکھایا جاتا ہے۔ یہی لتا ہے جسے اس کا اپنا باپ چند بیگھے زمین کے عوض گاؤں کے زمین دار کو فروخت کردیتا ہے اور وہ بھی ایک ایسے شخص کے ہاتھ جو فالج زدہ ہے۔ ایک اور گھناؤنا کھیل شروع ہو جاتا ہے کہ اس کی نندیں اس کی گود ہری کرنے کے لیے دوسرے مردوں کا لتا سے ناجائز تعلق بنا دیتی ہیں اور اس کا یہ انجام ہو جاتاہے کہ اس کے دو ناجائز بچے پیدا ہو جاتے ہیں ، اس طرح چند سالوں جب اس کا اپنا ہی بیٹا اس پر بد چلن ہونے کا الزام لگاتا ہے تو اس کی برداشت جواب دے جاتی ہے اوروہ طنزیہ جملوں سے سماج پر ایسا وار کرتی ہے جو اس کے باغی ہونے کی نشانی دیتا ہے۔یہ اقتباس دیکھیں :

"

(12)"

اس حوالے سے دیکھا جائے تو لتا تانیثی حوالے سے خاصی بےباکی سے اپنے جذبات و احساسات بیان کررہی ہے۔وہ اکیسویں صدی کی بےباک اور جرأت مند خاتون کا روپ دھار چکی ہے۔وہ ہر جائز ناجائز

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN 3006-4635
Print ISSN 3006-4627
Vol. 4 No. 3 (2026)

سے پردہ اٹھانے والی بن چکی ہے۔ اس کے دل میں معاشرتی ناانصافی کے حوالے سے ہر دلیل موجود ہے جس کا وہ بروقت استعمال کرنا جانتی ہے اور ایک نڈر خاتون ہے۔

مجموعی طور پر اکیسویں صدی کی خواتین ناول نگاروں کے حوالے سے یہ بات کی جا سکتی ہے کہ انھوں نے تانیثی حوالے سے اپنے کرداروں کو معاشرتی، معاشی، جنسی، نفسیاتی اور سیاسی طور پر تانیثیت کے ذیل میں بڑی بےباکی سے پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ آج کی عورت کسی طرح بھی مرد کے مقابلے میں کمزور نہیں ہے۔وہ ہر ظلم و جبر کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔وہ اب کسی ناانصافی پر خاموش رہنے والی وہ قدیم عورت نہیں رہی بلکہ ایک روشن خیال ذہن کے ساتھ معاشرتی اقدار اورروایات میں اپنا رول متوازی انداز میں نبھا رہی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ترنم ریاض،خواتین اردوادب میں تانیثی رجحان،مشمولہ اردوادب میں نسائی ادب کامنظرنامہ،مرتبہ قیصرجہاں،شعبہ اردوعلی گڑھ مسلم یونیونیورسٹی 2004ء،ص 94-95

۲۔ شہنازفاطمی،رکتے رشتے،ارم پرنٹرس،دریاپورپٹنہ،2-12ءص 109-110

۳۔ شہنازفاطمی،لپسا،ارم پرنٹرس،دریاپورپٹنہ،2-12ءص13

۴۔ ایضاً،96-97

۵۔ افسانہ خاتون، دھندمیں کھوئی روشنی،صائمہ پبلی کیشنز،پٹنہ،2009ء،ص27-28

۶۔ افسانہ خاتون، شیلٹر-ہوم شیلٹر،ایجوکیشنل بک ہاوس، دہلی،2020ء،ص77

۷۔ گوپی چندنارنگ،حرف اول،مشمولہ دہشت زادی،(ناول)ازنعیمہ مہجور،میزان پبلی کیشنز،سری نگر،2012ء،ص3

۸۔ نعیمہ مہجور ،دہشت زادی، ،میزان پبلی کیشنز،سری نگر،2012ء،ص313

۹۔ ایضاً،ص250

۱۰۔ صادقہ نواب احر،کہانی کوئی سناومتاشا، ایجوکیشنل بک ہاوس، دہلی،2008ء،ص156

۱۱۔ احمدصغیر،اردوناول کاتنقیدی مطالعہ،1980ء کےبعد، ایجوکیشنل بک ہاوس، دہلی،2016ء،ص46

۱۲۔ آشاپربھارت،جانے کتنے موڑ، ایجوکیشنل بک ہاوس، دہلی،2009ء،ص158